علامہ اقبال کی نظم "حکیم آئن سٹائن" کا تجزیاتی مطالعہ

فضل کبیر لیکچرار شعبہء اردو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ
جہانزیب کالج سوات
فضل ستار بی ایس آٹھواں سمسٹر

ABSTRACT

Pyam-e-Mashriq is a literary collection of Iqbal in Persian. Allama wrote it as a response to Goethe's collection 'West Ostilcher Diwan'. Goethe in this work appreciated Eastern spiritualism as well as ideals. Allama Iqbal on the other hand wrote about those Western philosophers and intellectuals who were great humanitarians (humanists)and who rendered their services for the welfare of the people of their age.He showed great respect for Einstine and appreciated him in great words. In this Article Iqbal's poem Hakeem Einstion is analyzed.

پیامِ مشرق اقبال کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے جو ۱۹۲۳ء کو منظرِ عام پر آیا۔(۱) یہ مجموعہ جرمن شاعر گوئٹے کے "دیوانِ مغرب" کا جواب ہے۔اس مجموعے کی اشاعت سے سو سال پہلے جرمنی میں ایک مشرقی تحریک نے جنم لیا تھا۔ اس تحریک کا سب سے بڑا اور مشہور شاعر گوئٹے تھا۔ گوئٹے کے علاوہ پلاٹن، روکرٹ، بوڈن سٹاٹ، ڈومر، ہرمن سٹال، لوشکے، لنٹ ہولڈ، فان شاک وغیرہ بھی اس تحریک کا حصّہ تھے۔اس تحریک کے زیرِ اثر جرمنی کے دانشور اور علم و ادب کے دلدادہ ادیب نہ صرف فارسی زبان سیکھنے کی سعی میں مصروف رہے بلکہ ساتھ ہی مشرقی روحانیت کی طرف مائل ہونے لگے۔اس تحریک کے زیرِ اثر مشرقی ایرانی شاعروں کے کلام کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں وہ مولانا روم اور حافظ شیرازی کے افکار و اسالیب سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وجہ سے انھوں نے مشرقی اسلوب کو اپنانا شروع کیا۔ان ادبا میں گوئٹے نے نہ صرف حافظ کا رنگ اور انداز اپنایا بلکہ ان کی اصطلاحات کے ہنروارانہ استعمال سے اپنی تخلیق کو مزین بھی کیا۔ گوئٹے مغرب کی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار تھا۔ وہ مشرقی روحانیت کی روشنی کشید کرکے زندگی

کے اسرار و رموز جاننے کا خواہاں تھا۔ اس کا مجموعہ " دیوانِ مغرب" مشرقی شعرا اور مشرقی روحانیت سے متاثر ہونے کے نتیجے میں منصّہ شہود پر آیا۔

ایک صدی گزرنے کے بعد جب وقت کروٹ لیتا ہے تو مشرق کے دیدہ ور اقبال کا خلاّق ذہن "پیامِ مشرق" تخلیق کرتا ہے۔ پیامِ مشرق کے وجود میں آنے کا محرک گوئٹے کا" دیوانِ مغرب" ہی بنا۔

"پیامِ مشرق" میں اقبال مختلف موضوعات پر بحث کرتے ہیں۔ گوئٹے" دیوانِ مغرب" میں جس طرح مشرقی شعرا کے افکار و خیالات سے مغرب کو آشنا کرتا رہا۔ اس طرح اقبال "پیام مشرق" کے اس حصّے میں جو" نقشِ فرنگ" کے نام سے موسوم ہے ، مغربی مفکرین کے افکار و نظریات سے مشرق کو روشناس کرتے ہیں۔ ان مغربی مفکرین کو بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جو انسانیت کی فلاح و بہبود اور تسخیر کائنات میں مگن رہے۔ چونکہ زیرِ نظر مقالے کا موضوع اقبال کی نظم "حکیم آئن سٹائن" ہے۔ اس لیے نظم کی تفہیم کے لیے صرف آئن سٹائن کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

آئن سٹائن کا تعلق جرمنی کے ایک خوشحال یہودی خاندان سے تھا۔ وہ اشک نازی یہودی تھے۔ آئن سٹائن ۱۴ مارچ ۱۸۷۷ کو جرمنی کے شہر "الم" میں پیدا ہوئے۔ (۲) ان کے والد کا نام ہرمن آئن سٹائن اور ماں کا نام پالین کوچ تھا۔ وہ بچپن سے ذہین و فطین نہیں تھے۔ سولہ سال کی عمر میں تعلیم ادھوری چھوڑ کر اٹلی کے سفر پر روانہ ہوئے اور وہاں سے سوئیٹزرلینڈ چلے گئے۔ جہاں وہ ایک سکول میں معلم مقرر ہوئے۔ وہاں ان کی ملاقات ملیوا مارک (**Mileva maric**) سے ہوئی (۳) بعد ازاں ملیوا مارک سے ۱۹۰۳ء میں شادی کی۔ ملیوا مارک سے آئن سٹائن کے تین بچے پیدا ہوئے۔ پہلی بیٹی ۱۹۰۲ء میں شادی سے پہلے پیدا ہوئی جب کہ شادی کے بعد دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام ہنز (**Hanz**) اور چھوٹے بیٹے کا نام ایڈورڈ رکھا۔ پہلی شادی کی ناکامی کے بعد ۱۹۱۹ء میں دوسری شادی ایلسا (**Elsa**) سے کی۔ دوسری بیوی سے ان کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے دو مفروضے پیش کیے جن کی وجہ سے وہ علمی اور سائنسی دنیا میں مقبول ہوئے۔ مفروضوں کے عنوان درج ذیل ہیں جبکہ ان کا ذکر اگلے حصے میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

۱۔ اضافیت کا مفروضہ (**Theory of relativity**)

۲۔ مستقل رفتار نور (**Speed of light**)

مذکورہ دو مفروضوں کو شائع کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے ۱۹۰۵ء میں زیورخ یونی ورسٹی (سوئیٹزرلینڈ) میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی جمع کیا۔ جس کے نتیجے میں انھیں ۱۹۰۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے

بعد یعنی ۱۹۰۹ء میں وہ زیورخ یونی ورسٹی کے شعبہ نظریاتی طبیعیات میں ایسوسی ایٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں چارلس یونی ورسٹی (پراگ) میں بطور پروفیسر اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۴ء میں برلن یونی ورسٹی (جرمنی) نے ملازمت کی پیشکش کی۔ یہ یونی ورسٹی اس وقت علم و ادب کا مرکز تھی۔ آئن سٹائن نے اس پیشکش کو قبول کر لیا اور وہاں پر ان کی تعیناتی بحیثیت پروفیسر ہو گئی۔ یہاں پر آئن سٹائن نے دس سال کی ان تھک محنت کے بعد مزید دو مفروضے پیش کیے۔ جن کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اُصول ہم تغیر (Principle of Co_variance)

۲۔ اُصول تعاون (Principle of Equivalnce)

۱۹۳۳ء میں آئن سٹائن نے مستقل طور پر امریکہ میں سکونت اختیار کی۔ ۱۸ اپریل ۱۹۵۵ء کو امریکہ کے شہر پرسٹن میں اس فانی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (۴) وہ Hemolytic Anemia کے مریض تھے۔ موت کی وجہ ان کے Aorta میں Aneurysm کا پھٹنا تھا۔ ان کے جسم کو بعد میں جلا دیا گیا۔

نوبل انعام:۔ آئن سٹائن کو ۱۹۲۱ء میں ''سویڈش اکیڈمی آف سائنس'' کی طرف سے نوبل انعام برائے طبیعیات دیا گیا۔ (۵)

فلسفی عیسیٰؑ کی پیدائش سے بھی پہلے ہی سے کائنات کے رازہائے سربستہ آشکار کرنے میں مصروفِ عمل رہے ہیں۔ یہ کافی غور و فکر کے بعد منطقی استنتاج کر کے اپنے خیالات و افکار کو منظم اور مربوط صورت میں پیش کرتے۔ ان کی یہ کاوشیں آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ کا فریضہ ادا کرتی رہیں۔ ڈھائی ہزار سال گزرنے کے باوجود ان کے افکار و نظریات جدید سائنس اور فلسفہ کے لیے نیو کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان مفکرین اور فلاسفر میں سب سے پہلا نام افلاطون کا ہے۔

۱۔ افلاطون کا نظریہ مکان:۔ (۴۲۷ ق م ۔۔۔ ۳۴۷ ق م)

افلاطون مکان کے بارے میں اپنی کتاب '' طیموس ''میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں :

> ''فضا وہ ہے جس میں تمام اجسام واقع ہیں۔ وہ ہمیشہ غیر متغیر ہے کیونکہ وہ کبھی اپنی صفت نہیں بدلتی اگر یہ کسی اس شے کی طرح ہو جو اس میں واقع ہے تو جب متضاد یا بالکل مختلف خاصیتوں والی اشیاء اس میں آئیں تو ان کی خاصیت بدل جائے گی

کیونکہ فضا کی خاصیت بھی ان میں ظاہر ہوگی۔اس لیے جس چیز میں تمام دوسری اشیاء واقع ہونے والی ہو،اس کو ہر قسم کی شکل سے پاک ہونا چاہئیے۔جس طرح خوشبودار عطر بناتے وقت ان مائعات میں جن سے مختلف عطر بنائے جاتے ہیں، پہلے کسی قسم کی کوئی بُو نہیں ہوتی۔یا جس طرح ملائم مٹی سے مجسمے بنائے جاتے ہیں ، تو پہلے مٹی میں کسی قسم کی شکل کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ پہلے مٹی بالکل بے شکل معلوم ہوتی ہے۔فضا کبھی معدوم نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر پیدا شدہ شے کے لیے جگہ مہیا کرتی ہے۔غرض کہ تمام وہ اشیاء جن کا وجود ہے وہ کسی نہ کسی جگہ ہونا چاہئیں۔اور انھیں کچھ نہ کچھ فضا گھیرنا چاہئیے اور جو نہ زمین پر ہو اور نہ آسمان پر وہ لا شے (کچھ نہیں)ہے" (٦)

اس نظریے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ افلاطون مکان کو مادی تصور کرتے ہیں۔جو کچھ زمین و آسمان کے مابین موجود ہے اس سے انکاری ہیں۔وہ تمام موجود اشیاء کے وجود کے قائل ہیں۔

ب۔ رینے ڈیکارٹ کا نظریہ مکان:۔(١۵٩٦ء۔۔۔١٦۵٠ء)

ڈیکارٹ اپنے نظریے میں خالی فضا کے تصور کو ختم کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

"تمام اشیاء ذہن یا مادہ دونوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتی ہیں۔خود ذہن اور مادے میں کوئی رشتہ نہیں ہے۔ذہن کی خاصیت خیال ہے جو نہ تو جگہ گھیرتا ہے اور نہ فضا میں کسی ترتیب کا حامل ہے۔مادے کی خاصیت جگہ گھیرنا ہے اور فضا میں واقع ہونا ہے۔" (٧)

اس نظریے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فضا میں کوئی چیز یا مادہ موجود ہے۔خالی فضا کسی کام کی نہیں کیونکہ یہ خالقِ عالم کے کمال کے منافی ہے کہ کسی چیز کو بغیر مقصد کے پیدا کرے۔ان کے مطابق پوری فضا میں ایک قسم کا مسلسل مادہ موجود ہے۔جس کی بناء پر فضا ایک خارجی شے تصور کی گئی۔

ج۔ نیوٹن کا نظریہ زمان ومکان:۔(۱۶۴۳ء۔۔۔۔۱۷۲۷ء)

نیوٹن اپنے زمانے میں ایک قابل سائنسدان گزرے ہیں۔وہ مطلق (Absolute) مکان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"مطلق فضا (مکان) کسی خارجی شے کے لحاظ سے نہیں بلکہ فی نفسہٖ محض اپنی حقیقت کی بناء پر غیر متغیر اور غیر متحرک ہے۔" (۸)

یہاں پر نیوٹن یہ بتاتے ہیں کہ مکان میں تبدیلی رونما نہیں ہوتی اور نہ یہ حرکت کرنے کے قابل ہے۔ ہمارے حواس اس کو دوسری اشیاء کی حرکت و عمل سے متحرک محسوس کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ہمارا حسی ادراک غلط نتیجہ اخذ کر کے مکان کو متحرک تصور کرتا ہے۔

مطلق زمان کے بارے میں نیوٹن کا خیال ہے:

"اضافی، ظاہری اور معمولی وقت، حقیقی وقت اور مطلق وقت کی ایک خارجی ناپ ہے جسے ہم روز مرہ کے کاروبار میں استعمال کرتے ہیں اور جو گھنٹے، دن، مہینے اور سال سے تعبیر ہوتا ہے۔ تمام حرکتوں میں تیزی یا سستی پیدا کی جا سکتی ہے لیکن وقت کے بہائو میں کوئی تبدیلی پیدا کرنا قطعی ناممکن ہے۔" (۹)

نیوٹن کے خیال کے مطابق زمان اور مکان دونوں مطلق خارجی وجود کے حامل ہیں، ان کا انحصار کسی مشاہد یا متحرک شے پر نہیں۔ انیسویں صدی کے اختتام تک زمان و مکان کا یہ تصور رائج رہا لیکن ۱۹۰۵ء میں جب آئن سٹائن نے اپنا نظریہ اضافیت" پیش کیا تو اس نظریے کی رو سے انھوں نے زمان و مکان کا ایک ایسا تصور پیش کیا جو آج کے جدید سائنس کی بنیاد بنا۔

د۔ آئن سٹائن کا نظریہ زمان ومکان:۔(۱۸۸۷ء۔۔۔۱۹۵۵ء)

آئن سٹائن وقت کو اضافی تصور کرتے ہیں :

"وقت یا زمان مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔ ہر مشاہد کا وقت اس کا ذاتی وقت ہے جو دوسرے مشاہد کے وقت سے مختلف ہے۔" (۱۰)

اسی طرح وہ مکان کو بھی اضافی تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ زمان کے ساتھ مکان بھی اضافی ہے۔ زمان اور مکان ایک دوسرے سے اس طرح گھل مل چکے ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا ممکن نہیں۔ وہ مکان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"مکان مطلق نہیں، اضافی ہے۔ کیونکہ دو متحرک چیزوں کے درمیانی فاصلے کے کوئی معنی نہیں۔ جب تک وقت کا تعین نہ کیا جائے کہ کس قدر وقت کے لیے یہ فاصلہ ناپا جارہا ہے اور کون سا مشاہد اس فاصلے کو ناپ رہا ہے۔ چوں کہ وقت خود اضافی ہے۔ اس لیے فاصلہ جو وقت پر منحصر ہو، لازماً اضافی ہو گا۔" (۱۱)

آئن سٹائن زمان و مکان کو ایک ہی چیز مانتے ہیں اور دونوں کو اضافی تصور کرتے ہیں۔ اردو کے معروف اور جواں مرگ شاعر مقبول عامرؔ کے بقول:

کوئی پڑاؤ نہیں وقت کے تسلسل میں
یہ ماہ و سال کی تقسیم تو خیالی ہے
(۱۲)

انہی دو مفروضوں کی بنیاد پر آئن سٹائن نے اپنا نظریہ اضافیتؔ پیش کیا۔ آئن سٹائن کا نظریہ اضافیتؔ دو نظریوں پر مشتمل ہے۔

ا۔ آئن سٹائن کا محدود نظریہ اضافیتؔ:۔ (Theory of Relativity) آئن سٹائن نے ۱۹۰۵ء میں دو مفروضے پیش کیے جو محدود نظریہ اضافیتؔ کی جان ہیں۔ پہلے مفروضے کو "اضافیتؔ کا مفروضہ" کہا جاتا ہے۔ جس میں آئن سٹائن کہتے ہیں :

" تمام مشاہدین جو سیدھی یکساں رفتار سے حرکت کر رہے ہوں، ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں۔" (۱۳)

آئن سٹائن کا دوسرا مفروضہ "مستقل رفتار نور" کے نام سے منظر عام پر آیا۔ جس میں وہ کہتے ہیں:

" مختلف مشاہدین کے لیے چاہے وہ کسی یکساں سیدھی رفتار سے حرکت کر رہے ہوں، روشنی کی رفتار ایک ہی ہوتی ہے۔" (۱۴)

ب۔ آئن سٹائن کا عام نظریہ اضافیتؔ:۔ (Special Theory of Relativity) محدود نظریہ اضافیتؔ پیش کرنے کے تقریباً دس سال بعد آئن سٹائن نے عام نظریہ اضافیتؔ پیش کیا۔ کیونکہ محدود نظریہ اضافیتؔ صرف ان اشیاء کی رفتاروں کے لیے تھا جو یکساں سیدھی سمت میں سفر کر رہی ہوں جبکہ عام نظریہ اضافیتؔ ٹیڑھی اور متغیر حرکت کرنے والی اشیاء پر بھی صادق آتا ہے۔عام نظریہ اضافیتؔ کے دو بنیادی اُصول ہیں۔پہلے اُصول کو ''ہم تغیر'' (Principle of Co-variance) کا اُصول کہا جاتا ہے۔اس اُصول کو آئن سٹائن یوں پیش کرتے ہیں:

''قدرت کو ایسے ضابطوں میں بیان کیا جائے جو تمام مشاہدین کے لیے ایک ہی
شکل رکھتے ہوں۔'' (۱۵)

دوسرا اُصول ''تعاون'' (Equivalnce) کہلاتا ہے۔جس کا مفہوم ہے:

''قوت بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی چیز ہے۔'' (۱۶)

ان تمام مبادی مباحث کی روشنی میں اقبال کی نظم ''حکیم آئن سٹائن'' کی تفہیم قدرے آسان ہو گی۔

۶۔ اقبال کی نظم ''حکیم آئن سٹائن'' کا فکری جائزہ:۔

یہ نظم اقبال کے فارسی کلام ''پیامِ مشرق'' کے حصہ ''نقشِ فرنگ'' میں موجود ہے۔یہ مختصر نظم ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

جلوۂ می خواست مانندِ کلیم نا صبُور
تا ضمیرِ مستنیرِ اُو کشود اسرارِ نُور

از فرازِ آسماں تا چشمِ آدم یک نفَس!
زود پروازے کہ پروازَش نیاید در شعور!

خلوَتِ اُو در زغالِ تیرہ فام اندر مغاک!
جلوَتَش سوزَد درختے را چو خس بالاے طُور!

بے تغیّر در طلسمِ چون و چند و بیش و کم!
برتر از پست و بلند و دیر و زُود و نزد و دُور!

در نہادَش تار و شید و سوز و ساز و مرگ و زیست!
اہرَمَن از سوزِ اُو و سازِ اُو جبریل و حُور!

من چہ گویَم از مقامِ آں حکیم نکتہ سنج
کردہ زردشتے ز نسلِ مُوسیٰ و ہاروں ظہُور!

(۱۷)

اس مختصر نظم میں اقبال فکر و فن کی انتہائوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نظم میں حکیم آئن سٹائن کو خراجِ تحسین پیش کرتے اور فن اور فکر کو ہم آہنگ کر کے مشرقی ادبیات کو مایہ ناز تخلیق سے مالا مال کرتے ہیں۔

اقبال حکیم آئن سٹائن کو حضرت موسیٰؑ کی طرح بے چین دکھاتے ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور پر اضطرار کا مظاہرہ کرتے ہوئے خداوندِ تعالیٰ سے دیدار کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح حکیم آئن سٹائن بھی کسی نور کے متلاشی ہیں جس کے ذریعے وہ نور (روشنی) کی حقیقت اور اسرار و رموز جان سکیں۔ آئن سٹائن کی اس خواہش کو اقبال نے حضرت موسیٰؑ کے واقعے سے تشبیہ دی ہے اور اس سلسلے میں قرآنی آیات کے مفہوم کو بطورِ تلمیح پیش کیا ہے۔

'' وَ لَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِیقَاتِنَا وَکَلَّمَہُ رَبُّہُ قَالَ رَبِّ اَرِنِیٓ اَنظُر اِلَیکَ ، قَالَ لَن تَرٰنِی وَ لٰکِنِ انظُر اِلَی الجَبَلِ فَاِنِ استَقَرَّ مَکَانَہُ فَسَوفَ تَرٰنِی فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہُ لِلجَبَلِ جَعَلَہُ دَکًّا وَّخَرَّمُوسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبحٰنَکَ تُبتُ اِلَیکَ وَاَنَ اَوَّلُ المُومِنِینَ'' (۱۸)

ترجمہ : ''اور جب موسیٰؑ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رب اُن سے ہم کلام ہوا، تو کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔'' فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ، پہاڑ کی طرف نظر اُٹھائو، اس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لو گے۔'' پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ

کر دیا، اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنہیں ہوش آیا تو اُنھوں نے کہا:

" پاک ہے آپ کی ذات ! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں ، اور میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔" (۱۹)

اقبال نور (روشنی) کے متعلق فرماتے ہیں کہ نور کی رفتار اتنی تیز ہے کہ انسانی شعور اسے اپنی گرفت میں لانے سے قاصر ہے۔ (جدید دریافت شدہ پیمانے کے مطابق اس کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے)۔ (۲۰) کیونکہ یہ آسمان کی بلندی سے لے کر انسان کی آنکھ تک کا فاصلہ ایک لمحے میں طے کرتا ہے۔ یہاں پر اقبال نور کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی جسم یا مادہ، نور (روشنی) کی رفتار تک پہنچ جائے تو اسی لمحے وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو جائے گا اور وہ مطلق زمان و مکان میں داخل ہو جانے کے بعد لافانی تصور ہو گا۔

سورج کی روشنی کی دو خاصیتیں ہیں۔ ایک روشنی اور دوسری حرارت۔ دونوں ہی انسان کے لیے ضروری اور مفید ہیں۔ اقبال نور (روشنی) کی اس افادیت کا ذکر کرتے ہیں کہ نور (روشنی) جب خلوت (ہوا یعنی آکسیجن کی غیر موجودگی میں) میں ان کالے پہاڑوں اور چٹانوں پر اپنی شعاعیں مرکوز کرتا ہے تو انہی کی بدولت کانوں اور غاروں کے اندر سیاہ رنگ کا کوئلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تصور قدیم زمانے میں موجود تھا جبکہ اس تصور سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ جس طرح آئن سٹائن مادہ اور توانائی کو ایک چیز تصور کرتے ہیں اسی طرح اقبال بھی نور (روشنی) کو ایک ہی چیز تصور کرتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس نور جب جلوت (ہوا یعنی آکسیجن کی موجودگی میں) میں اپنی شعاعیں ایک درخت پر ڈالتا ہے تو وہ (نور) اس کو جلا دیتا ہے۔ یہاں پر اقبال نے درج ذیل قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

" فَلَمَّا قَضٰی مُوسٰی الاَجَلَ وَسَارَبِاَھلِہٖ اٰنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِاَھلِہِ امکُثُوآاِنِّیَ اٰنَستُ نَارًا لَّعَلِّیَ اٰتِیکُم مِّنہَا بِخَبَرٍ اَو جَذوَۃٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّکُم تَصطَلُونَ"
(۲۱)

ترجمہ: " پھر جب موسیٰؑ نے وہ مدّت پوری کرلی، اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے تو اُنھوں نے کوہِ طور کی طرف سے آگ دیکھی۔ اُنھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: " ٹھہرو! میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آئوں، یا آگ کا کوئی انگارہ اُٹھا لائوں، تا کہ تم گرمی حاصل کر سکو۔" (۲۲)

جلانے کی قوت توانائی میں ہوتی ہے اور توانائی مادّے میں ہوتی ہے۔ جبکہ قوت خود اضافی ہے اور مادّہ اور توانائی ایک شے کی دو مختلف صورتیں ہیں، اسی لیے دونوں اس جہانِ فانی میں اضافی ہیں۔

ان نظریات کے بعد اقبال حکیم آئن سٹائن کے عام نظریہ اضافیت کی رو سے روشنی کی خصوصیت بیان کرتے ہیں۔ روشنی زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے کیوں کہ اس کی رفتار سب سے تیز ہے۔ اسی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور عام نظریہ اضافیت ّمیں آئن سٹائن بھی یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ روشنی کی رفتار چاہے جس سمت بھی ہو اس میں تبدیلی نہیں آتی۔ روشنی سیدھی اور یکساں حالت میں اُس رفتار سے سفر کرتی ہے جس رفتار سے روشنی ٹیڑھی اور متغیر حالت میں سفر کرتی ہے۔ روشنی زمان و مکان کے جادو میں گرفتار ہونے کے باوجود ہر طرح کے پست و بلند، دیر و سویر اور نزدیک و دور سے بالاتر ہے۔ یعنی روشنی کی رفتار پر زمان و مکان کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ جس رفتار سے وہ سفر کرتی ہے اس سے زمان اور مکان اضافی معلوم ہوتے ہیں۔

آگے اقبال روشنی کی فطرت کے بارے میں بتاتے ہیں کہ روشنی کی فطرت کیا ہے؟ پھر اس سوال کا جواب خود دیتے ہیں کہ روشنی کی فطرت میں ازل سے کچھ عوامل کارِ فرما ہیں یعنی روشنی کی دو خصوصیات ہیں۔ ایک اس کی تپش ہے اور دوسری اس کی روشنی۔ اقبال یہاں پر ازل کا قصہ دہراتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے نور کی تپش سے شیطان (ابلیس) کو پیدا کیا جبکہ اس کی روشنی سے حور و جبریل کو پیدا کیا۔ حدیث مبارکہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا۔

''عَن عَائِشَہ رَضِیَ اللہُ عَنھَا : قَالَتُ : قَالَ رَسُولَ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ سَلَّم خُلِقَتِ المَلَائِکہ مِن نُورٍ وَ خُلِقَ الجِنَّ مِنّ مَارِجٍ مَن نَارٍ وَ خُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وَصفَ لَکُم'' (۲۳)

ترجمہ: ''حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ فرشتوں کو نور سے اور جنّات کو آگ کے شعلے سے اور آدمؑ کو (مٹی سے) جیسے تمہارے سامنے بیان کیا، پیدا کیا گیا''۔

اسی طرح قرآن مجید میں ارشاد ہے

'' وَ الجَآنَ خَلَقنٰہُ مِن قَبلِ مِن نَّارِ السَّمُوم'' (۲۵)

ترجمہ: '' اور جنّات کو اس سے پہلے ہم نے لُو کی آگ سے پیدا کیا۔'' (۲۶)

اقبال یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ ساری کائنات خداوندِ تعالیٰ نے ایک نور سے پیدا کی ہے۔ یہاں پر انسان کی اصلیت اور حقیقت کے اشارے بھی ہیں کہ روح ایک نور ہے اور اسی نور کی بدولت تمام کائنات ابھی تک قائم ہے۔

آخر میں اقبال، حکیم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں کہ ان کے نظریات کے بارے میں مَیں کیا بتاؤں کیونکہ وہ جس چیز کے متلاشی ہیں اس کی حقیقت کا ادراک کرنا بہت مشکل ہے۔ یہاں پر اقبال نے حکیم آئن سٹائن کو زرتشت سے تشبیہ دی ہے۔اسی حوالے سے یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں کہ

" واضح ہو کہ اقبال نے حکیم موصوف کو زرتشت سے تشبیہ اس لیے دی ہے کہ اسی فلسفی نے دنیا کو سب سے پہلے نور کی اہمیت سے آگاہ کیا۔" (۲۷)

نظم کے آخری شعر میں اقبال زرتشت، ہارونؑ اور موسیٰؑ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ذیل میں ان مشاہیر کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ نظم کی پرتیں مزید کھل جائیں۔

زرتشت:۔

زرتشت کی تاریخ پیدائش کے حوالے سے محقّقین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ میرزا عباس شوستری کے نزدیک زرتشت گیارہ سو سال قبل مسیح کو پیدا ہوئے تھے۔(۲۸) جبکہ لغاتِ سماجی علوم و فلسفہ میں زرتشت کی پیدائش کو ساتویں صدی قبل مسیح لکھا گیا ہے۔ (۲۹) تاریخ اقوام عالم میں ان کی پیدائش کو ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح سے ایک ہزار سال قبل مسیح لکھا گیا ہے۔ (۳۰) ان کا پورا نام سپیتمان تھا۔ سپیت کے معنی سفید کے ہیں جبکہ مان خاندانی نام ہے جیسے خان، خواجہ، میاں وغیرہ۔ لہٰذا ان کا پورا نام زرتشت سپیتمان ہو گیا۔ مزدیسنا کے مصنف کے نزدیک ان کا آبائی وطن آذربائیجان ہے۔ (۳۱) جبکہ تاریخِ اقوام عالم کے مصنف کے نزدیک وہ آذربائیجان کی ایک بستی ارومیہ میں پیدا ہوئے تھے۔ (۳۲) زرتشت کے والد کا نام پورشسہ اور ماں کا نام دغدویہ تھا۔ (۳۳) زرتشت کی شادی کے بارے میں ڈاکٹر محمد معین لکھتے ہیں:

"زرتشت نے تین شادیاں کیں جس سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔" (۳۴)

زرتشت بیس سال کی عمر میں گوشہ نشینی اختیار کر کے ریاضتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے تھے۔ جب وہ تیس سال کے ہو گئے تو انھوں نے بلخ کی جانب سفر کیا اور وہاں پر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک نئے مذہب کا پرچار شروع کیا۔ جسے آج کل زرتشتی مذہب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ زرتشتی مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ ایران کے بادشاہ 'گشتاسپ' نے اس کی تعلیمات کو قبول کر کے زرتشتی مذہب اختیار کیا۔ (۳۵) تو زرتشتی

مذہب ایران، تہران، توران اور ہندوایشیامیں بہت تیزی سے پھیلا مگر توران کے حکمران 'ارجاسپ' نے اس مذہب کو ماننے سے انکار کر دیا اور ایران پر حملہ کیا۔ پہلے حملے میں ان کو شکست ہوئی مگر کچھ عرصے کے بعد دوبارہ حملہ کر کے کامیابی حاصل کی۔ دوسرے حملے میں ایران کے بادشاہ 'گشتاسپ' اور زرتشت کی موت واقع ہوئی۔ اس ضمن میں میرزا عباس شوستری لکھتے ہیں:

"۷۷ سال کی عمر میں ایک تورانی براتروک رش کے ہاتھوں ان کا قتل ہوا۔"

(۳۶)

ا۔ زرتشتی مذہب کے عقائد:۔

زرتشتی مذہب اپنی مخصوص کتاب "اوستا" کی مرہونِ منت ہے۔ اس کتاب کے پانچ بڑے حصّے ہیں۔

۱۔یسنا

۲۔ویسپرد

۳۔وندیدا

۴۔یشت

۵۔خردہ اوستا

'یسنا' کے سب سے متبرّک حصّے کا نام "گاتھا" ہے۔ یہ حصّہ نثرِ موزوں میں ہے اور اس کو زرتشت کی اپنی تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ (۳۷) زرتشتی مذہب کا سب سے بڑا عقیدہ ایک ہستی کو معبود ماننا ہے کیونکہ ان کے زمانے میں لوگ مختلف دیوتائوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ زرتشت نے اپنے زمانے کے لوگوں کو ایک ہستی کی طرف مائل کیا اور ایک ہی ہستی کی عبادت کرنے کا تصور عام کرنے کی کوشش کی۔ اور جس کو انھوں نے "اھورامزدا" کے نام سے یاد کیا۔ ان کے نزدیک "اھورامزدا" نے ازل سے دو قوتیں پیدا کی ہیں۔ ایک خرد نیک یا سمینتا مینو (سمینتا، مقدس۔۔۔ مینو، جہان معنی یعنی خرد) جسے وہ نور بھی کہتے ہیں۔ دوسری خرد بد یا انگرا مینو (انگرا، بد۔۔۔ مینو، جہان معنی یعنی خرد) جسے وہ ظلمت اور تاریکی بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کو مغلوب کرتی رہتی ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق آخری وقت میں اھورامزدا جنگ کے میدان میں اترے گا اور انگرا مینو کو شکست سے دوچار کر کے اس کے وجود کو نیست و نابود

کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا۔ماہرین علم و ادب کے مطابق زرتشت نے پہلی بار دو خدائوں کے تصور کو پیش کیا مگر کچھ مصنفین اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں:

''خرد خبیث اور خرد مقدس دونوں کا خالق اھورامزدا ہے۔'' (۳۸)

زرتشتی مذہب میں روح فانی نہیں ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''مرنے کے بعد روح پل چینوت یعنی پلِ صراط پر پہنچتی ہے۔ جہاں تین فرشتے میزان لیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اعمال کو تولا جاتا ہے۔ پلِ چینوت سے گزرنا ہوتا ہے۔ نیک روحیں اس کو آسانی سے طے کر کے جنت میں پہنچ جاتی ہیں۔ بد روحیں جہنم میں گر جاتی ہیں اور وہ روحیں جن کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوتی ہیں انہیں برزخ یا اعراف میں رہنا اور قیامت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔'' (۳۹)

میرزا عباس شوستری کے نزدیک اھورامزدا کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی کے لیے تین اُصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔

''پندار نیک، گفتار نیک، کردار نیک'' (۴۰)

زرتشتیوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ'' ہر ہزار سال کے بعد زرتشت کی نسل میں ایک غیر معمولی اوصاف کا حامل نجات دہندہ پیدا ہوتا ہے۔ آخری نجات دہندے کا نام ''اوستا'' کے مطابق ''سوشیانس'' **(Soshyans)** ہوگا۔ آخری وقت میں ایک دُم دار ستارہ جس کا نام ''گوچہر'' بتایا گیا ہے۔ وہ اپنی مدار سے نکل کر زمین پر گرے گا۔ جس سے آگ پیدا ہوگی اور اس دنیا میں ان کے مطابق ایسی آگ لگے گی کہ فولاد تک پانی کی طرح پگھل جائے گا''۔(۴۱)

ب۔ زرتشتی مذہب میں آگ(نور)کا مقام:۔

دنیا میں زرتشت پہلے شخص ہیں جنھوں نے آگ کی اہمیت کو واضح کیا اور اس کی افادیت کو دنیا والوں کے سامنے پیش کیا۔ زرتشتی مذہب میں آگ کو بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ زرتشت آگ کو اھورامزدا کی ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک آگ کے شعلے جلالِ خداوندی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ کرستن سین کے خیال کے مطابق زرتشتی مذہب میں آگ کی پانچ قسمیں ہیں۔

''ا۔عام آگ جو آتشکدوں میں روشن ہے۔

۲۔ وہ آگ جو انسانی جسم میں حرارت غریزی کی شکل میں موجود ہے۔

۳۔ وہ حرارت جو نباتات میں پنہاں ہے۔

۴۔ برق یعنی آسمانی بجلی

۵۔ وہ آگ جو عرش پر "اھورامزدا" کے حضور میں روشن ہے۔" (۴۲)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ:۔

عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے کے زمانے میں مصر کے بادشاہ کو فرعون کا خطاب دیا جاتا تھا۔ یہ ایک خاندانی سلسلہ تھا جو مصر پر حکومت کرتا تھا۔ جب اس خاندان کا ستائیسواں بادشاہ رعمسیس کا بیٹا ریان تخت نشین ہوا تو اس نے اپنی بادشاہت میں ناجائز کام کرنے شروع کیے۔ اس نے بنی اسرائیل کو زبردستی مغلوب کیا اور ان کو غلام بنا کر ان سے سخت محنت اور مشقت کا کام تھوڑی سی اجرت کے عوض یا بلا اجرت لینے لگا۔ اس نے بنی اسرائیل پر مختلف طریقوں سے ظلم ڈھائے۔ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کی ساری بادشاہت ختم ہوگی۔ اس کا تخت اُلٹ جائے گا۔ جب فرعون نے یہ خواب دربار میں سنایا تو اس وقت کے ماہرین وفضلا نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ بنی اسرائیلی لڑکے سے آپ کو اور آپ کے تخت کو نقصان پہنچے گا۔ اس وقت فرعون نے یہ حکم جاری کیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کیا جائے اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑا جائے تا کہ وہ مصریوں کی غلامی کریں۔

وَ اِذ نَجّینٰکُم مِن اٰلِ فِرعُونَ یَسُومُنَکُم سُوٓءَ العَذَابِ یُذَبِّحُونَ اَبنَآ ءَ کُم وَ یَستَحیُونَ نِسآءَ کُم وَ فِی ذَالِکُم بَلَاء مِن رَبِّکُم عَظِیم ۝ (۴۳)

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو، اور اس میں بڑی آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔ (۴۴)

حکم کی تعمیل کی جانے لگی۔ اسی اثناء میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے۔ دوماہ تک ان کی ماں نے یہ بات کسی پر ظاہر نہ کی مگر جب خطرہ حد سے زیادہ بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ ایک صندوق بنا کر اُس میں اپنا بچہ رکھ کر صندوق کو دریا کے سپرد کرے۔

وَاَو حَینَا اَلٰی اُمِّ مُوسٰی اَن اَرضِعیہ ۚ فَاِذَا خِفتَ عَلَیّہِ فَاَلّقَیّہِ
فِی الیَمِّ وَلَا تَخَافِی وَلا تحزَنِی ۚ اِنَّارَآ دّوہُ اِلَیّکِ وَ جَاعِلُوہُ
مِنَ المُرسَلِینَ ۚ (۴۵)

ترجمہ: اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ، پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو، ہم پھر پہنچا دینگے اُس کو تیری طرف اور کریں گے اُس کو رسولوں سے۔ (۴۶)

چناں چہ ان کی ماں نے ایسا ہی کیا اور انھیں صندوق میں بند کر کے صندوق کو دریائے نیل میں بہا دیا۔ اس مقصد کے لیے با قاعدہ طور پر ایک بڑھئی کو بلا کر ایک مخصوص قسم کا صندوق بنایا گیا تھا تا کہ حضرت موسیٰؑ پانی سے بھی محفوظ رہیں اور انھیں سانس لینے میں بھی آسانی ہو۔ صندوق تیرتا ہوا فرعون کے محل کے قریب پہنچا جو برلبِ دریا واقع تھا۔ فرعون کی بیوی کی نظر صندوق پر پڑی۔ ان کے حکم کے مطابق صندوق کو کنارے پر لایا گیا۔ صندوق کو کھولا گیا تو کیا دیکھتی ہیں کہ صندوق میں ایک خوبصورت اور حسین بچہ جو نہایت پیارا ہے، پڑا ہوا ہے۔ انھیں کو حضرت موسیٰؑ پر بے حد پیار آیا صرف وہ نہیں بلکہ جو بھی انھیں دیکھتا اُس کو اُن پر پیار آ جاتا۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَلقَیّتُ عَلَیّکَ مَحَبَّۃً مِنِّی ۚ (۴۷)

ترجمہ: اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبتؔ اپنی طرف سے۔ (۴۸)

ان کی اولاد نہیں تھی۔ جب فرعون نے موسیٰؑ کو دیکھا تو انھیں قتل کرنا چاہا مگر اپنی بیوی حضرت آسیہؓ کے اصرار پر انھیں زندہ چھوڑ دیا۔ بعد میں آسیہؓ موسیٰؑ پر ایمان لائی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس بچے کو اپنا بیٹا بنائیں گے یا اس کو بیچ کر نفع حاصل کریں گے۔

لَا تَقتُلُوہُ عَسٰی اَن یَنفَعُنَآ اَو نَتَخَذُہُ وَلَدًا وَّ ھُم لَا یَشعُرُون ۚ (۴۹)

ترجمہ: اس کو مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اس کو کر لیں بیٹا، اور ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ (۵۰)

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کے دشمن ہی کے گھر میں بڑا کیا۔ کچھ واقعات کی بناء پر حضرت موسیٰؑ اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر مدین میں چلے جاتے ہیں۔

وَ لَمَّا تَوَجُّہُ تَلقَاءُ مَدیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّی اَنّ یَھدِیَنِی سَوَآ ئَ
السَبِیل ۚ (۵۱)

ترجمہ: اور جب مُنہ کیا مدین کی سیدھ پر، بولا اُمید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر۔ (۵۲)

وہاں پر تقریباً بارہ سال گزارنے کے بعد وہ واپس اپنے شہر کو روانہ ہوتے ہیں۔ کوہِ طور کے مقام وادی طویٰ میں حضرت موسیٰؑ کو پیغمبری کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس واقعے کا ذکر قرآن مجید میں بار بار ہوا ہے۔

وَهَل اَتٰک حَدِيث مُوسیٰ ۝ اِذ نَادٰهُ رَبُّهٗ بِالوَادِ المُقَدَّسِ
طُوَیٰ ۝(۵۳)

ترجمہ: کیا پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی، جب پکارا اُس کو اُس کے رب نے پاک میدان میں جس کا نام طویٰ ہے۔ (۵۴)

اس مقام پر آپؑ کو دو معجزے بھی عطا کیے گئے۔

فَالقٰی مُوسٰی عَصاه فَاِذَا هِیَ ثُعبَان مُبِين ۝ وَ نَزعُ يَدَهٗ فَاِذَا
هِیَ بَيّضَآءُ النّٰظِرِين ۝ (۵۵)

ترجمہ: تب ڈال دیا اُس نے اپنا عصا تو اُسی وقت ہو گیا اژدہا صریح، اور نکالا اپنا ہاتھ تو اُسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو۔ (۵۶)

یہاں پر حضرت موسیٰؑ اپنی زبان کی لکنت کا ذکر کرتے ہوئے ایک مددگار کے طور پر حضرت ہارونؑ کی سفارش کرتے ہیں۔

وَ اَخِی هَارُونَ هُوَا اَفصَحُ مِنِّی لِسَاناً فَاَرسَلَهُ مَعِیَ رِدءًا
يَصَّدِقنِی اِنِّی اَخَافُ ان يُكَذِبُون (۵۷)

ترجمہ: اور میرا بھائی ہارون اُس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اُس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے، میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں۔ (۵۸)

اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور حضرت ہارونؑ کو بھی پیغمبری عطا کرتا ہے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ بِاَ خِيکَ وَ نَجعَلُ لَکُمَا سُلطٰنًا فَلَا
يَصِلُونَ اِلَيکُمَا ۝ بِاٰ يٰتِنَا ۝ اَنتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الغٰلِبُونَ ۝
(۵۹)

ترجمہ: فرمایا ہم مضبوط کر دینگے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دینگے تم کو غلبہ، پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے۔ (۶۰)

اس کے بعد وہ فرعون کے دربار میں جاتے ہیں اور اسے دین حق کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ مگر فرعون سرکش واقع ہوا تھا اس لیے اس پر دین حق کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ جب موسیٰؑ نے اپنے معجزے دکھائے تو وہ کہنے لگا کہ موسیٰؑ ایک بڑے ساحر ہیں۔

قَالَ المَلَاُ مِنْ قَومِ فِرْعَوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۙ (۶۱)

ترجمہ: بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا واقف جادوگر ہے۔ (۶۲)

حضرت موسیٰؑ کا امتحان لیا گیا مگر جب موسیٰؑ کو فتح نصیب ہوئی تو فرعون نے پھر بھی اس دین کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر مختلف عذاب مسلط کیے۔ مگر جب عذاب شروع ہوتا تو لوگ آتے اور موسیٰؑ سے کہتے کہ تو آپ اپنے خدا سے کہو کہ اس عذاب کو ختم کرے تب ہم آپ کے رب کی بات مانیں گے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الطُّوْفَانَ وِ الجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۙ فَاسْتَکْبَرُوْا وَ کَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۙ (۶۳)

ترجمہ: پھر ہم نے بھیجا اُن پر طوفان اور ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک اور خون، بہت سی نشانیاں جدی جدی پھر بھی تکبّر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار۔ (۶۴)

جب عذاب ختم ہو جاتا تو وہ لوگ پھر سے سرکشی میں مبتلا ہو جاتے۔

فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ اِذَ ھُمْ یَنْکُثُوْنَ ۙ (۶۵)

ترجمہ: پھر جب اٹھالی ہم نے اُن پر سے تکلیف، سبھی وہ وعدہ توڑ ڈالتے۔ (۶۶)

اسی طرح ان پر دس عذاب نازل ہوئے مگر وہ اپنے راستے سے نہ ہٹے۔ آخر کار حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اپنی قوم کو دوسرے شہر میں لے جائو۔ چنانچہ انھوں نے قوم کو اکٹھا کیا اور رات کے وقت فرعون کی غلامی سے لوگوں کو آزاد کیا اور سفر پر روانہ ہوئے۔ مگر جلد ہی فرعون کو خبر ہوئی۔ اس نے اپنی فوج ان کے تعاقب میں لگائی اور خود بھی اس کے ہمراہ چل پڑا۔ بحر نیل کو پار کرتے وقت حضرت موسیٰؑ نے اپنی چھڑی سمندر پر دے ماری جس سے سمندر دو حصّوں میں بٹ گیا۔

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰیَ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْبَحرَ ، فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ(۶۷)

ترجمہ: پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو، پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ (۶۸)

درمیان میں راستہ بن گیا اور اس پر بنی اسرائیل چل پڑے اور نہایت سہولت سے سمندر کو عبور کیا۔ ان کے تعاقب میں فرعون اور اس کی فوج بھی سمندر کو پار کرنے کی غرض سے سمندر میں اترے مگر جب بنی اسرائیل کا آخری فرد دریا کے حدود سے نکل گیا تو اس وقت دریا اپنی اصلی حالت پہ لوٹ آیا اور فرعون اور اس کی فوج کو اللہ تعالیٰ نے اُس دریا میں غرق کر دیا۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۚ(۶۹)

ترجمہ: پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکروں کو لے کر، پھر ڈھانپ لیا اُن کو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا۔ (۷۰)

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو جس مذہب کی تبلیغ شروع کی تھی وہ مذہب ''یہودی مذہب'' کہلایا۔ یہودی مذہب کی مقدس کتاب کا نام ''تورات'' ہے۔ دنیا کے قدیم ترین زندہ مذاہب میں سے ایک مذہب یہودیت ہے۔ نیز جو لوگ پیدائشی یہودی نہیں ہوتے اور بعد میں اپنے آبا و اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر یہودیت کے قائل ہو جاتے ہیں تو ان لوگوں کو'' اشک نازی ''یہودی کہتے ہیں۔

آئن سٹائن چونکہ ایک اشک نازی یہودی تھے اور یہودیوں کی نسل کا سلسلہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے جا ملتا ہے تو اسی بناء پر علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ان کی نسل میں ایک زرتشت پیدا ہوا ہے جو زرتشت کی تعلیمات کا پیروکار ہے۔ زرتشت کا خیال تھا کہ دنیا چار عناصر (آب و آتش، خاک و باد) سے وجود میں آئی ہے۔ جس میں آگ (نور / روشنی) سب عناصر پر غالب ہے۔ اسی بناء پر زرتشتی مذہب کے پیروکار آگ کی عبادت کرتے تھے اور آگ بھی نور کی ایک قسم ہے۔ نور کے اسرار و رموز کو افشا کرنا آئن سٹائن کا مقصد تھا اسی وجہ سے انھیں زرتشت کے خیالات کا حامل قرار دیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، پیامِ مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص،۷

۲۔ www.wikipedia/alberteinstien(مورخہ:۲۹نومبر،۲۰۱۷،بہ وقت ۱۰:۳۵دن)

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اضافیت (آئن سٹائن کے نظریے کی عام فہم تشریح)، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۵۲ء، ص، ۴۳

۷۔ ایضاً، ص،۴۸

۸۔ ایضاً، ص،۵۰

۹۔ ایضاً، ص،۵۱

۱۰۔ ایضاً، ص،۵۶

۱۱۔ ایضاً، ص،۵۶

۱۲۔ مقبول عامر، دیئے کی آنکھ، بخاری پبلیشرز، پشاور، طبع دوم ۲۰۱۶ء، ص،۱۹

۱۳۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، اضافیت (آئن سٹائن کے نظریے کی عام فہم تشریح)، ص،۶۶

۱۴۔ ایضاً، ص،۶۷-۶۶

۱۵۔ ایضاً، ص،۸۴

۱۶۔ ایضاً، ص،۸۵

۱۷۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، پیامِ مشرق، ص،۲۰۰-۱۹۹

۱۸۔ القرآن الکریم، سورہ الاعراف ۷، آیت نمبر ۱۴۳

۱۹۔ مفتی محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن (تشریحات کے ساتھ)، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص، ۳۵۳

۱۰۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی، شرح پیامِ مشرق، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص، ۲۶۳

۲۱۔ القرآن الکریم، سورہ القصص ۲۸، آیت نمبر ۲۹

۲۲۔ مفتی محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن (تشریحات کے ساتھ)، ص، ۸۲۴

۲۳۔ القشتری، مسلم بن حجاج، صحیح لمسلم، باب فی احادیث متفرقہ، رقم الحدیث نمبر ۶۸۷ ۷

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ القرآن الکریم، سورہ الحجر ۱۵، آیت نمبر ۲۷

۲۶۔ مفتی محمد تقی عثمانی، آسان ترجمہ قرآن (تشریحات کے ساتھ)، ص، ۵۶۶

۲۷۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح پیامِ مشرق، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص، ۵۷۰

۲۸۔ میرزا عباس شوستری، ایران نامہ، میسور، ۱۹۲۵ء، ص، ۶۲

۲۹۔ روزینتھال، لغاتِ سماجی علوم و فلسفہ، مترجم: ڈاکٹر خیال امروہوی، یو۔ سپلیشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص، ۳۸۳

۳۰۔ مرتضیٰ احمد خان، تاریخِ اقوامِ عالم، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۵۰ء، ص، ۱۹۲

۳۱۔ ڈاکٹر محمد معین، مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات پارسی، دانشگاہ تہران، ۱۳۲۶ شمسی، ص، ۶۹

۳۲۔ مرتضیٰ احمد خان، تاریخِ اقوامِ عالم، ص، ۱۹۰

۳۳۔ ڈاکٹر محمد معین، مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات پارسی، ص، ۶۹

۳۴۔ ایضاً، ص، ۷۲-۷۳

۳۵۔ مرتضیٰ احمد خان، تاریخِ اقوامِ عالم، ص، ۱۹۱

۳۶۔ میرزا عباس شوستری، ایران نامہ، ص، ۷۰

۳۷۔ ایضاً، ص، ۷۲

۳۸۔ ڈاکٹر محمد معین، مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات پارسی، ص، ۱۶۶

۳۹۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، زرتشت، مشمولہ: دائرہ معارفِ اقبال، جلد دوم، مرتبہ: شعبہ اقبالیات پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص،۴۳۶

۴۰۔ میرزا عباس شوستری، ایران نامہ، ص،۴۷

۴۱۔ کرستن سین، ایران بہ عہد ساسانیان، مترجم: محمد اقبال، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص،۱۹۳

۴۲۔ ایضاً، ص،۱۹۰

۴۳۔ القرآن الکریم، سورہ البقرۃ ۲، آیت نمبر ۴۹

۴۴۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، مکتبہ مدنیہ، لاہور، س ن، ص،۱۰

۴۵۔ القرآن الکریم، سورہ قصص ۲۸، آیت نمبر ۷

۴۶۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۴۹۹،۵۰۰

۴۷۔ القرآن الکریم، سورہ طٰہٰ ۲۰، آیت نمبر ۳۹

۴۸۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۴۰۶

۴۹۔ القرآن الکریم، سورہ قصص ۲۸، آیت نمبر ۹

۵۰۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۵۰۰

۵۱۔ القرآن الکریم، سورہ قصص ۲۸، آیت نمبر ۲۲

۵۲۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۵۰۲

۵۳۔ القرآن الکریم، سورہ النزعت ۷۹، آیت نمبر ۱۵،۱۶

۵۴۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۷۶۰

۵۵۔ القرآن الکریم، سورہ الاعراف ۷، آیت نمبر ۱۰۷،۱۰۸

۵۶۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۲۱۱

۵۷۔ القرآن الکریم، سورہ قصص ۲۸، آیت نمبر ۲۴

۵۸۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۵۰۴

۵۹۔ القرآن الکریم، سورہ قصص ۲۸، آیت نمبر ۲۵

۶۰۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص،۵۰۴

۶۱۔ القرآن الکریم، سورہ الاعراف، آیت نمبر ۱۰۹

۶۲۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص، ۲۱۱

۶۳۔ القرآن الکریم، سورہ الاعراف ۷، آیت نمبر ۱۳۳

۶۴۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص، ۲۱۴

۶۵۔ القرآن الکریم، سورہ الزخرف ۴۳، آیت نمبر ۵۰

۶۶۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص، ۶۳۹

۶۷۔ القرآن الکریم، سورہ الشعراء ۲۶، آیت نمبر ۶۳

۶۸۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص، ۴۷۹

۶۹۔ القرآن الکریم، سورہ طٰہٰ ۲۰، آیت نمبر ۷۸

۷۰۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، تفسیرِ عثمانی، ص، ۴۱۰

کتابیات

۱۔ احمد خان، مرتضیٰ، تاریخِ اقوامِ عالم، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۵۰ء

۲۔ چشتی، یوسف سلیم، شرح پیامِ مشرق، عشرت پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۶۱ء

۳۔ خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر، شرح پیامِ مشرق، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء

۴۔ رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر، اضافیت (آئن سٹائن کے نظریے کی عام فہم تشریح)، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۵۲ء

۵۔ روزینتھال، لغاتِ سماجی علوم و فلسفہ، مترجم: خیال امروہوی، ڈاکٹر، یو. پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء

۶۔ شوستری، میرزا عباس، ایران نامہ، میسور، ۱۹۲۵ء

۷۔ عامر، مقبول، دیئے کی آنکھ، بخاری پبلیشرز، پشاور، طبع دوم ۲۰۱۶ء

۸۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر، پیامِ مشرق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۲ء

۹۔ کرستن سین، ایران بہ عہد ساسانیان، مترجم: محمد اقبال، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۲ء

۱۰۔ عثمانی، مفتی محمد تقی، آسان ترجمہ قرآن (تشریحات کے ساتھ)، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۲ء

۱۱۔ محمد معین، ڈاکٹر، مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات پارسی، دانشگاہ تہران، ۱۳۲۶ شمسی

۱۲۔ محمود حسن، مولانا شیخ الہند، تفسیرِ عثمانی، مکتبہ مدنیہ، لاہور، س ن